جب جہل کے مقابلہ میں "علم" کہدو تو گویا تم نے سب کچھ کہدیا اور اس سے زیادہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

کیونکہ جب تم یہ کہنا چاہو کہ وہ نور ہے ظلمت نہیں، حق ہے باطل نہیں، صدق ہے کذب نہیں، عبرت ہے تمسخر نہیں، یقین ہے ظنون و اوہام نہیں، بیان و تبیین ہے اخفاء و ستر نہیں، برہان ہے تقلیدِ جامد نہیں، ہدایت ہے ضلالت نہیں، استقامت ہے زیغ نہیں، تو ان سب کی بجائے بس ایک بات یہ کہہ دو کہ وہ "علم" ہے "جہالۃ" نہیں ہے۔ اس لیے کہ جہالۃ" عمی اور کور باطنی ہے اور "علم" بصارت و بصیرت ہے" فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ"

لیکن اس کو "بصیرۃ" نہیں "بصائر" کہا گیا ہے یعنی مفرد کے نہیں بلکہ جمع کے صیغہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، کیونکہ وہ ایک گوشہ کی بصیرت تو نہیں ہے یا ایک پہلو اور رخ کے لیے تو بصیرت فراہم نہیں کرتا بلکہ وہ تو ہر گوشہ اور ہر سمت اور ہر موقعہ اور ہر محل میں بصیرت ہی بصیرت ہے، الٰہیات ہوں یا مادیات، عقائد ہوں یا اعمال و اخلاق، معاش و معاد ہو یا قصص و اخبار، ہر ایک شعبہ دینی و دنیوی کے لیے بصیرت مہیا کرتا ہے اس لیے وہ صرف "بصیرت" کیسے ہو سکتا تھا وہ تو "بصائر" ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ

(انعام)

بلا شبہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے بصیرتیں آپہونچیں، بس جس شخص نے ان حقیقتوں کا مشاہدہ کیا اُس نے اپنے نفس کو ہی فائدہ پہونچایا اور جس نے اندھا پن اختیار کرلیا تو اُس کا نقصان بھی اُسی پر پڑا اور میں (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) تمہارے لیے نگہبان نہیں بنایا گیا

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ

یہ تمہارے پروردگار کی جانب سے بصیرتیں

وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ　　ہیں اور ہدایت ورحمت ہیں اُن لوگوں کے
يُّؤْمِنُوْنَ (اعراف)　　لیے جو مومن ہیں۔
هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ　　یہ لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں اور ہدایت
هُدًى وَّ رَحْمَةٌ　　اور رحمت ہیں اُن لوگوں کے لیے جو یقین کرتے
لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (جاثیہ)　　ہیں۔

**حُکْم** | ادیانِ سابقہ کی تصدیق، اُن میں نسخ ومسخ اور تحریف کی نگہبانی اور بصائر وعبر اور مواعظ ونصائح کی فراوانی کے بعد قانونِ قدرت کا تقاضا ہے کہ ان حقائق پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے والوں کے لیے "حکم" بھی برسرِ کار آنا چاہیے تاکہ اس کے امتثال سے سعادت اور اُس کے انکار سے شقاوت مثمر ومنتج ہو اور ہر فرد اور جماعت اپنے اعمال وافعال میں قانونِ پاداشِ عمل کو پیشِ نظر رکھنے پر مجبور ہو۔

پس قرآنِ عزیز یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ہی وہ "حُکم" ہوں جو اس ترقی پذیر کائنات کے لیے بقائے نسلِ انسانی تک ہمہ گیر ہے اور جس کے امتثال سے سعادتِ کُبریٰ کا حصول اور انکار پر شقاوتِ ابدی کا نزول ہوتا ہے اور ایک نفسِ انسانی خدائے قدوس کی اس حجتِ بالغہ کے بعد جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کے پاداشِ عمل کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے۔

گندم از گندم بروید جو زجو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

اس لیے آج کسی قوم اور کسی گروہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ میرے "حُکم" سے سرتابی کرے اور یہ کہہ کر مخلصی پیدا کرے کہ وہ نزولِ قرآن سے قبل نازل شدہ کتابِ الٰہی اور دینِ سابق پر ایمان رکھتا ہے اور اس لیے قرآنِ عزیز کے امتثال کا محتاج نہیں ہے کسی بھی ملّت کو یہ حق اس لیے حاصل نہیں ہے کہ جب میں تاریخ ملل وادیان کی روشنی میں برہان اور حجت بن کر یہ ثابت کر چکا کہ ادیانِ سابقہ کے قبول کرنے والوں نے اُن کی حقیقی تعلیم کو فنا کر دیا اور مسخ وتحریف کی گندچھری سے

ذبح کر دیا اور آج نہ وہ ایمانیات میں اُس کے سچے پیرو ہیں اور نہ احکام و اعمال میں اُس کے حامل بلکہ ادیانِ قدیم اور مللِ سابقہ کی سچی اور صاف تعلیم کی اساس و بنیاد درحقیقت وہ ہے جس کو آج میں پیش کر رہا ہوں اور "صراطِ مستقیم" اس کے ماسوا کچھ نہیں ہے گویا میں قوموں کا وہ بھولا ہوا دینی اور ملّی سبق ہوں جو اس کامل و مکمل شکل میں تم کو درسِ ہدایت دے رہا ہوں تو پھر اگر حجتِ حقہ یہ ثابت کر چکا ہے کہ میں "حق" ہوں "نور" ہوں "برہان" ہوں "مصدّق" ہوں "مہیمن" ہوں تب جو فردِ انسانی مجھ سے روگردانی کرتا ہے، وہ بلاشبہ حق کی جگہ "باطل" نور کی بجائے "ظلمت" برہان کے بدلہ رسومِ جاہلیت کی، مصدّق کے عوض "مکذّب" کی، اور مہیمن کے مقابل "منسوخ و محرف" کی پیروی کرتا ہے اور اس طرح جادۂ حق اور صراطِ مستقیم سے بے راہ ہو جاتا ہے۔

تم اس پر تعجب نہ کرو کہ میں "حُكْمًا عَرَبِيًّا" ہوں، یعنی میری زبان عربی ہے، اس لیے کہ جب تم اس پر تعجب اور حیرانی کا اظہار کرتے ہو تو دوسرے الفاظ میں گویا تاریخ ادیان کے روشن پہلو کے منکر اور یا اس سے بے خبر ہونے کے معترف ہو جاتے ہو۔

کیا تم فراموش کر دو گے کہ خدا کا قانونِ قدرت ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جس کسی قوم کسی ملّت، اور کسی گروہ میں اُس نے اپنا ہادی یا پیغمبر بھیجا ہے تو جس قوم میں بھی وہ بھیجا گیا ہے اُس کی دعوت و تبلیغ اور کتابِ الٰہی کا نزول اُسی زبان میں ہوا ہے، چنانچہ سامی اقوام نے سامی زبانوں میں اور غیر سامی ملتوں نے اپنی اپنی مروجہ زبانوں میں ہی "صوتِ ہادی" کو سنا اور سمجھا ہے۔

تو اب اگر ایک وقت معین ہو چکا تھا کہ خدائے کائنات کا پیغام تمام کائنات میں اقوام و ملل میں جدا جدا نہ سنا اور سمجھا جائے بلکہ توحید الٰہی کے محدود و مخصوص پیغاماتِ حق نے اب عالَمِ انسانی کو نشو و ارتقاء کی اُس منزل پر پہونچا دیا ہے کہ بالغ نظری اور بلند نگاہی اپنے کمالات کو نمایاں کرے اور وحدتِ ادیان ایک حقیقی وحدت کی شکل میں منصۂ شہود پر آجائے تب عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم یہی فیصلہ کرتی ہے کہ دینِ وحدت ۔ پیغامِ اقوامِ عالم کائنات کی

صد مختلف اور متعدد زبانوں میں نہیں بلکہ ایک اور صرف ایک ہی زبان میں سنی اور سمجھی جائے
تاکہ قانونِ وحدت یہاں بھی اپنی جگہ برقرار رہے اور اختلاف و انتشار اپنا دخل نہ پاسکے
اور جب یہ فیصلہ حق اور صحیح ہے تو پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا اور جس قوم میں پیغمبرِ کائنات
(صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہوا خدا کے پیغام کا بھی اُسی قوم کی زبان میں نزول ہوا۔

اور اگر یہ بات آج مسلمات میں سے ہے کہ قوموں کے تہذیب و تمدن اور ثقافت (کلچر) کی سب سے بڑی ترجمان "قومی زبان" ہوتی ہے اور وہی کسی جماعت کی خصوصیات و امتیازات کا پتہ دیتی اور قوموں کے درمیان اس کو ممتاز بناتی ہے تو پھر علم الالسنہ اس کے لیے شاہدِ عدل ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت عربی ہی وہ زبان تھی جو عالی خیالات اور بلند افکار کے لیے موزوں، روحانی اور علوی تعبیرات کے لیے جاذب، دقیق مضامین کی ادا کے لیے مناسب اور باریک سے باریک فروق اور نازک سے نازک امتیازات کے لیے وسیع، شوکتِ الفاظ میں رفیع، اور فصاحت و بلاغتِ کلام میں بدیع، غرض زندہ زبانوں میں اپنی رفعت و شوکت اور وسعت و طلاقت میں ہمہ گیر اور لغوی مواد میں "ام الالسنہ" کہلانے کی مستحق تھی، اس لیے قرآنِ عزیز کا "عربی زبان" میں نزول گویا تمدنی اور ثقافتی اور عمرانی و لسانی حیثیت سے بھی اُس کے عالم گیر و ہمہ گیر پیغام ہونے پر برہانِ محکم اور حجتِ مبرام ہے۔

| | |
|---|---|
| حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّا جَعَلْنٰهُ | حٰمٓ قسم ہے اس کتاب واضح کی ہم نے |
| قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ | اُس کو رکھا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو۔ |
| وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ | اور یہ قرآن پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ |
| بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ | لے کر اترتا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر |
| مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ | تاکہ تو ڈر انے والوں میں سے ہو صاف عربی |
| مُّبِيْنٍ ○ (شعراء) | زبان میں۔ |
| وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ | اور جس طرح ہم نے اور کتابیں اُن کی قوم کی زبان میں |

حُکۡمًا عَرَبِیًّا          نازل کی ہیں) اسی طرح ہم نے اتارا قرآن کو
"حکم عربی"۔          (رعد)

الحاصل، قرآن کہتا ہے کہ میں ایسا نظام کامل ہوں کہ کائنات انسانی کے تمام دینی و دنیوی حوائج و حوادث کے لیے میرے احکام اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک انسان جن امور کا مکلف ہو سکتا ہے اُن سے متعلق میرے احکام حاوی اور ہمہ گیر ہیں اس لیے مجھ کو صرف یہ نہ کہو کہ میں "ذو حکم" یا "ذوالامر" ہوں یا "حاکم" و "آمر" ہوں بلکہ مجموعۂ احکام الٰہی کا ایسا رفیع و وقیع سرمایہ ہوں کہ گویا سر تا سر "حکم" ہوں۔

روح | لیکن صرف اس قدر کافی نہیں ہے کہ میں "حکم" ہوں اس لیے کہ "حکم" تو ایک خاص طرزِ تعبیر کا نتیجہ ہے جو بُری اور اچھی دونوں صورتوں میں وجود پذیر ہوتا رہتا ہے تو کیا میری بھی یہی شان ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ میرے احکام کا ہر ایک گوشہ اور ہر ایک گوشہ اپنے اندر روحِ حیاتِ سرمدی رکھتا ہے اور جو ہستی بھی اُس کے قبول کے لیے گوشِ حق نیوش اور قلبِ حق کیش رکھتی ہے اُس کی زندگی کے بیجان لاشہ میں یہ احکام روحِ تازہ پھونکتے اور زندۂ جاوید بنا دیتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ میرے نزول سے قبل کائناتِ انسانی کی انفرادی و اجتماعی زندگی اور حیاتِ دینی و ملی یا موت کا شکار ہو چکی تھی اور یا کشمکشِ موت و حیات کے ہاتھوں مرغ بسمل بنی ہوئی تھی۔

ہندستان کا قدیم مذہب صرف رسم و رواج کا ایک بے روح ڈھانچہ تھا جس کے ہر رگ و ریشہ سے روح مسلوب ہو چکی تھی، توحید کی جگہ شرک نے لے لی تھی، خدا پرستی مسخ ہو کر اوتارو اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی نذر ہو چکی تھی، معاشرت نے انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کرکے اور جزا و سزا اعمال کو کردار کی جگہ نسب و نسل کے ساتھ وابستہ کرکے خود انسان کو انسان کا غلام بنا دیا تھا جو چھوا چھوت اور چھوت، اچھوت کی آلودگیوں اور گھنونے پن کی شکل و صورت میں نظر آ رہی تھی، شوہر کی موت پر ایک عورت کو زندہ ستی ہونا پڑتا تھا، نکاحِ بیوگان حرام کاری کے مرادف

تھا، اور عورت ہر قسم کی وراثت سے محروم تھی گویا انسانی حقوق سے محروم بے چارہ و مجبور تھی غرض الٰہیات و عبادات بوجھل اور پُر مشقت رسموں اور قیودات سے جکڑے ہوئے تھے اور تمدن و معاشرت پر ایسی کڑی پابندیاں عائد تھیں، کہ انسانی حقوق تک پامال و برباد ہو چکے تھے۔

نصاریٰ و یہود میں تقلیدِ جامد اور رسوم ظاہری نے نہ صرف اخلاق و اعمال کو مسخ کر دیا تھا بلکہ معتقدات و ایمانیات کو بھی شرک اور رسوم جاہلیت کے پردوں میں مستور کر دیا تھا۔

روما اور فلسطین کی تاریخ قدیم شاہد ہے کہ وہاں بھی انسانیت دو حصوں میں تقسیم نظر آتی ہے نہ غلام انسانوں میں شمار ہے اور نہ انسانی حقوق کا اُس سے کوئی واسطہ، عورت بھی مرد کی خواہشات کا کھلونا تھی اور بس خواہ وہ کنواری مریمؑ کے تقدس کے نام پر "نن" ہو یا قصور و محلات کی زیب و زینت، رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ کی مہلک جنگوں نے مذہب کو خونریزی اور سفاکی بلکہ درندگی کا دوسرا نام ہو دیا تھا حتیٰ کہ آزادیِ فکر کی جگہ جمود و خمود اور کورانہ تقلید نے لے لی تھی اور مذہب میں عقل و خرد اور دلیل و برہان ایک بے معنیٰ بات ہو کر رہ گئے تھے۔

زردشتی مذہب کے نام پر ایران میں مانی اور مزدک نے وہ انارکی بپا کر دی کہ تہذیب و حیا نے شرم سے آنکھ بند کر لی۔ صاف اور صریح شرک و دوئی کے ساتھ عورت کا صرف عورت رہ جانا اور ماں، بہن بیٹی کا حقیقی رشتہ مفقود کر دینا مالی اور انسانی حقوق میں فوضویت اور مادر پدر آزادی دیدینا، اس تعلیم نے انسانیت کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا تھا۔

غور فرمائیے کہ اگر کسی معاشرہ کا اجتماعی نظام ایسے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو جس میں عقل و فکر کی آزادی سلب کر کے اُس کی بنیادوں کو صرف رسوم اور خود ساختہ شرطوں اور پابندیوں کی زنجیر میں جکڑ دیا گیا ہے تو اہل دانش فیصلہ کریں کہ ایسے معاشرہ اور سماج کے اجتماعی نظام کا کیا حشر ہوگا۔ کیا اُس کی کوئی اینٹ بھی سیدھی اور درست کہی جا سکتی ہے؟ مگر اسلام سے قبل ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں کہ ایشیا و یورپ اور عرب و عجم میں کوئی ایک خطہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کا سماجی نظام جاہلی رسوم

اور باطل قیود و شروط کے جال میں الجھا ہوا نہ ہو اور آزادیِ فکر کو کسی صورت میں بھی کوئی مقام حاصل ہو سکا ہو۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ دلیل و برہان کی جگہ "پاپا" "برہمن" اور "موبد" کی شخصیتوں نے لے لی اور انجیل، توراۃ، زبور، اوستا، وید کی حقیقی تعلیمات یکسر فراموش ہو کر اُن کا نعم البدل رسوم جاہلیت قرار پائیں اور آہستہ آہستہ انہوں نے اس طرح مذہب اور دھرم کی شکل اختیار کر لی کہ اس کے خلاف وقت کے سچے مذاہب کی تعلیمات فنا کے گھاٹ اتر گئیں اور چشم بصیرت سے غور کرنے والی کسی ہستی کو بھی یہ جرأت نہیں ہو سکی کہ وہ آزادی فکر کے ساتھ حق کا اعلان کر سکے اور جس شخصیت نے بھی اس اقدام کی جسارت کی اُس کو بے دین اور ملحد و زندیق کا خطاب دیا گیا۔

تاریخ کے ابوابِ ماضی اگر اپنے نقوش میں کذب کی رنگ آمیزی سے پاک ہیں تو ان میں حقیقت نمایاں اور اُبھری ہوئی نظر آتی ہے کہ قرآن نے اپنے پیغام کی بنیاد سرتاسر دلیل و برہان پر رکھی ہے اور جمود و خمود اور کورانہ تقلید و پابندی رسوم کو جہالت قرار دے کر صحیح آزادی فکر و آزادی رائے کا وہ دروازہ کھول دیا ہے جس کو ہزاروں برس ہوئے کہ مدعیانِ مذاہب و ادیان نے دین و مذہب کے نام پر بند کر دیا تھا، چنانچہ یورپ میں لوتھر کی وہ آواز جو اصلاحِ کنیسہ کے نام سے گونجی اور جس نے تمام یورپ کو تاریکی اور جہالت سے نجات دلا کر ترقی کی راہ پر لگا دیا، اور ہندستان میں شنکر اچاریہ کی وہ صدا جو ناستکوں کے الحاد اور بت پرستوں کی بت پرستی کے خلاف بلند ہوئی یقیناً قرآن کی صدا، بازگشت ہی کہی جا سکتی ہے، کیونکہ قرآن کی اس تعلیم حق کے علاوہ دنیائے مذاہب و ادیان میں کوئی ایک بھی اس پکار سے آشنا نہیں تھا، و قرآن ہی کی گرج اور کڑک نے خفتہ عقلوں اور خوابیدہ دماغوں کو بیدار کر کے ہوا کا رُخ بدل دیا اور زمانہ کی باگ تاریکی سے روشنی کی جانب موڑ دی۔

غرض کائناتِ انسانی کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ اجتماعی اور ملّی حیات سے محروم ایک بے جان لاشہ اور جسم بے روح نظر آتا تھا، جدھر دیکھیے تاریکی اور ظلمت کا دور تھا اور ہر ایک طالبِ حق

غیبی نصرت و امداد کے لیے چشم براہ تھا کہ اچانک غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور سرزمین حجاز میں نبی آخرالزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہوا اور اُن پر وحیِ الٰہی نے نزولِ اجلال کیا اور قرآن نے نازل ہوکر کائنات کی پوری بساط اُلٹ دی اور عالمِ انسانی کے مُردہ لاشہ میں جان ڈال دی۔ بے روح جسم کو روحِ حیات سے تازہ دم بنادیا اور ظلمت و تاریکی کے پردوں کو چاک کرکے اس طرح تاباں و درخشاں کر دیا گویا آفتابِ عالم تاب نے طلوع ہوکر شب دیجور کی ساری ظلمتوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا ہے

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اور اسی طرح ہم نے تمہاری جانب روح (قرآن)

رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوریٰ) کی وحی کی اپنے حکم سے

یعنی جس طرح بدن کے لیے روح ہے اُسی طرح قلب کے لیے بھی روح ہے اور اگر اجسام بے روح "لاشہ" ہیں تو قلوبِ بے روح بھی "مردہ" ہیں اور اُن کے لیے قرآن ہی روحِ حیات ہے۔ روحِ ابدی و روحِ سرمدی۔

یوں تو ہر زمانہ اور ہر دور میں نازل شدہ، وحی الٰہی قلوبِ مردہ کے لیے روحِ تازہ ثابت ہوئی ہیں تاہم "روحِ کامل" کا شرف صرف قرآن ہی کو حاصل ہے اس لیے دیگر کتب سماویہ کے لیے اگرچہ بہت سے اوصافِ عالیہ کا اطلاق ہوا ہے لیکن اُن کو روح کہہ کر نہیں پکارا گیا اور یہ قرآن ہی ہے جس کو "روح" سے تعبیر کیا گیا کیونکہ بلاغتِ کلام کا تقاضا ہے کہ جب ایک ہی وصف مختلف موصوف میں موجود ہو تو پھر اس کا اطلاق ایسے ہی موصوف کے ساتھ ہونا چاہیے جس میں یہ صفت کامل و مکمل طور پر پائی جاتی ہو تاکہ امتیاز ہوسکے اور اُس کی عظمت و جلالت منصۂ شہود پر آسکے۔

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اگرچہ جبرئیل امین (جو عبرانی الٰہیات میں ناموسِ اکبر کے نام سے معروف ہیں) کی اہم ڈیوٹی یہی رہی ہے کہ وہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس خدا کی وحی پہونچاتے رہیں اور وہ برابر انبیاء و مرسلین سابقین کے دور میں یہ فریضہ ادا فرماتے رہے تاہم

اُن میں سے کسی بھی الہامی کتاب اور الہامی صحیفہ کے نزول کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے جبرئیل (علیہ السلام) کو "روح" کے لقب سے یاد نہیں فرمایا اور یہ صرف قرآن ہی کے لیے مخصوص قرار پایا کہ اُس کے نزول کے سلسلہ میں جب جبرئیل (علیہ السلام) کا ذکر آئے تو اُن کو "روح" سے تعبیر کیا جائے چنانچہ شعراء میں ہے "وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ" اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن کے "روح" ہونے کا ہی یہ کمال یا خصوصی امتیاز ہے کہ سورۂ قدر میں بھی جبرئیل کو "روح" سے ہی تعبیر کیا گیا ہے "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا" اور یہ اس لیے کہ قرآن کے متعلق یہ بتایا جا چکا ہے کہ اُس کا نزول رمضان المبارک میں ہوا ہے سورۂ بقرہ میں ہے "شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ" اور یہ بھی ظاہر کیا جا چکا ہے کہ اُس کا نزول شب مبارک میں ہوا "حٰمٓ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ" اور وہ شب مبارک لیلۃ القدر ہے "اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ" تو ضروری ٹھیرا کہ جس ماہ میں اور جس شب میں قرآن عزیز کا نزولِ اوّلی ہوا ہے اُس کو ہر سال بطور یادگار منایا جائے اور اُن تمام سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوا جائے جو نزول قرآن کے وقت اُس کے مجد و شرف کے لیے مخصوص کی گئی تھیں تا کہ طالب حق اور جویائے مجد و شرف اس سعادتِ کبریٰ سے محروم نہ رہے اور وہ تمام افضال و برکات جو سمٹ کر اس شب میں سما گئی تھیں ایک ایک ہو کر مردِ مومن کے قلب کا نور بن جائیں اور اُس کو حیاتِ ابدی و سرمدی کی نعمت سے مالا مال کر دیں اور جب کہ قرآن کی ایک مخصوص صفت "روح" ہے اور اُس کے لانے والے خدا کے ایلچی کو بھی اس خدمت کی بدولت "روح" کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا تو از بس ضروری ہوا کہ ہر سال جب بھی شب مبارک، شبِ قدر اپنی تمام رعنائیوں اور بے پناہ جمال آرائیوں کے ساتھ بقعۂ نور بن کر آئے تو اس میں بے شمار اور ان گنت فرشتگانِ رحمت کے علاوہ خصوصیت سے "روح" (جبرئیل علیہ السلام) کا بھی اس وصف عالی کے ساتھ نزول ہو اور "روحِ امین" "روحِ قرآن" کے ساتھ وابستہ ہو کر کائناتِ انسانی کے نیم مردہ حیاتِ اجتماعی میں روح پھونکنے کا اعلان کرے اور پکارے کہ آج کی رات خدا کی رحمت نے "روحِ حق" کی یادگار منانے کے لیے مخصوص کر دی ہے کیونکہ اُس کا کلام بھی "روح" ہے اور لانے والا

ایلچی بھی "روح" بس کون خوش بخت و روشن سعادت انسان ہے جو آج کی شب اس "نورٌ علیٰ نورٌ" کو مشعل ہدایت بنا کر دین و دنیا کی کامرانی و کامگاری حاصل کرے اور حیاتِ سرمدی و ابدی کا جویا یاس و ناامیدی کی موت پر قدم رکھ کر "روحِ حیات" تک پہونچ جائے۔

بلاغ | اسی لیے جب دردمند اور صالح قلوب کائناتِ انسانی کی ان تو برتو ظلمتوں اور تاریکیوں سے گھبرا کر "روحِ حیات" کے طالب ہوئے اور انسانی فلاح و نجاح کی چہار جانب تشنہ سامانی پر نظر کر کے آبِ حیات کے لیے سراسیمہ نظر آئے تو اس وقت قرآن ہی پیغامِ الٰہی بن کر سامنے آیا اور اُس نے ڈوبتے ہوؤں کو سہارا دیا اور وہ سب کچھ سنایا اور بتلایا جس نے ادیان و ملل کی کائنات ہی کو بدل ڈالا اور مُردہ روحانیت کو حیاتِ تازہ بخشی۔ بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھائی اور رہ روِ منزل کو صراطِ مستقیم پر لگا دیا۔ اُس نے گذشتہ قوموں کے عبرت ناک واقعات بیان کر کے ماضی کے آئینہ میں مستقبل کی تصویر پیش کی، احکام دے کر انارکی کا سدِ باب کیا وعد و وعید پیش کر کے پاداشِ عمل کے عواقب سے آگاہ کیا، غرض پیغام بری کے اُن فرائض کو پوری طرح انجام دیا جو دینے والی ہستی کے نزدیک رشد و ہدایتِ عالم کے لیے ازبس ضروری ہے اور ادائے فرض کے بعد یہ کہہ کر خدا کی حجت کو پورا کر دیا " اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

آج تاریخ شاہد ہے کہ بلاشبہ اُس کا پیغام دُکھی دلوں کے لیے مرہمِ حیات، تشنہ کاموں کے لیے آبِ حیات، قنوطیوں کے لیے بشارت، گمرہوں کے لیے ہدایت، غلاموں کے لیے سبقِ حریت، احرار کے لیے درسِ موعظت، مظلوموں کے لیے عدل و نصفت، ظالموں کے لیے سرمایۂ عبرت، غرض مجموعۂ کائنات کے لیے رشد و ہدایت اور "پیغام بشارت" ثابت ہوا، چنانچہ اس حقیقت کو سورۂ ابراہیم میں اس مختصر اعجازِ کلام کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَ | یہ لوگوں کے لیے "پیغام" ہے اور تاکہ متنبہ ہو جائیں |
| لِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ | اُس سے اور تاکہ جان لیں کہ معبود وہی ہے، ایک |

اِلَٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ — اور تاکہ سوچ لیں عقل والے۔
اُولُوا الْاَلْبَابِ (ابراہیم)

بیان | پھر قرآن کہتا ہے کہ میں "بیان" ہوں "خفا" نہیں ہوں۔ اس لیے کہ جب میں بلاغ (پیغام) ہوں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خفا اور ستر حقیقت کروں۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ "الحق مرٌّ" حق کڑوا ہوتا ہے، اس لیے میرا "بیان" ہونا اُن قوموں اور ملتوں کے لیے تلخی اور ناگواری کا باعث ہوگا جن کے حالاتِ ماضیہ اور واقعاتِ سالفہ خدا کے پیغام کے مقابلہ میں سرکشی اور تمردی سے مملو ہیں اور ساری داستانِ حیات بغاوت و سرکشی سے لبریز ہے بلکہ اُن کے لیے بھی باعثِ تکلیف ثابت ہوگا جو آج بھی خدا کی رشد و ہدایت کے مقابلہ میں "صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ" کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور "فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى" کو اسوہ بنائے ہوئے ہیں مگر میں قوموں اور جماعتوں کی خوشنودی و ناخوشی کے لیے نہیں ہوں اور نہ میں انسانی دماغوں کی کاوش ہوں کہ ماسوی اللہ کی رضا و غیر رضا کی بنیادوں پر اپنے پیغام کی بنا رکھوں اور حق و صداقت کا کتمان و خفا کر کے "حقیقت" کو بے حقیقت بنا دوں۔ اس لیے میں ہر امر حق کے لیے "بیان" ہوں، احکامِ الٰہی کے لیے بیان ہوں، عقائد و ایمانیات کے لیے بیان ہوں اور اخلاق و اعمال سب ہی کے لیے بیان ہوں۔

کیا یہ امر مسلم نہیں ہے کہ "الساکت عن الحق شیطان اخرس۔ حق کے اظہار پر خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے" بس جب یہ صحیح ہے تو پھر تم ایسے پیغام کے متعلق کیا تصور رکھتے ہو جو کمزور انسانوں کی جانب سے نہیں بلکہ قادرِ مطلق کی طرف سے ہے، جو مرعوب اور خوف زدہ روحوں کی کیفیات کا ترجمان نہیں، بلکہ مالک الملک کی شئونِ الٰہیہ سے وابستہ ہے اور کلامِ الٰہی ہے، جو ستر و کتمان کے لیے نہیں آیا بلکہ ظہور و وضوح کے لیے نازل ہوا ہے اور ان ہی حقائق کے پیشِ نظر میری خصوصی صفات میں سے ایک صفت یہی ہے کہ میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے "بیان" ہوں۔

وَهٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ — اور یہ (قرآن) بیان ہے لوگوں کے لیے اور

مَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ (آل عمران) ہدایت ونصیحت ہے متقیوں کے لیے۔

آیاتِ بیّنات | بیان و وضوح کا ہی کرشمہ میری ہر ایک آیت اور ہر ایک جملہ سے عیاں اور نمایاں ہے اس لیے میں "بیان" بھی ہوں اور "بیّنات" بھی اور "آیاتِ بیّنات" بھی ہوں اور "بیّنہ" بھی یعنی گو کائناتِ انسانی کی ہدایت کے لیے کتبِ سماویہ کا نزول ہوتا رہا اور انہوں نے "ہدایت" بن کر پیغامِ حق کا فرض انجام دیا لیکن ان سب میں یہ خصوصیت مجھ کو ہی حاصل ہے کہ معارفِ الٰہیہ اور احکامِ عملیہ کے متعلق جو کشفِ حقیقت اور وضوحِ بیان میں لے کر آیا ہوں یہ امتیاز دوسری کتابوں کو حاصل نہیں ہے کہ نہ میری حقیقت میں کوئی التباس ہے اور نہ میرے احکام اور اوامر ونواہی میں کوئی ستر وخفا ہے، نہ استعارات وکنایات ہیں اور نہ اغلاق ومعمہ۔

بلاشبہ توراۃ ہدایت ونور ہے لیکن اس میں غوامض ومشکلاتِ معانی کی اس قدر کثرت ہے کہ بعض جگہ اصل مسئلہ کی حقیقت تک مشتبہ ہوجاتی ہے، اس لیے ہدایت وحق کی وہ برق ضو افگن جو قرآن میں نظر آتی ہے نہیں پائی جاتی۔

اسی طرح انجیل بھی کتبِ سماویہ میں بلاشبہ نور وہدایت ہے تاہم یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اُس کے مواعظ واحکام اور بصائر وامثال میں جو اغلاق اور ابہام ہے اُس نے بہت سے مقامات کے مفاہیم کو خود محققینِ توراۃ پر مشتبہ کردیا اور وہ حقیقتِ حال کے متعلق غلط روی میں مبتلا ہوگئے حتیٰ کہ بائبل نے ایک جگہ خود ہی یہ اقرار کرلیا ہے کہ "مسیح نے فرمایا! میں ہر ایک بات تم سے نہ کہونگا اور بہت سی باتیں ہیں جو کہنے کے لائق ہیں مگر وقت نہیں آیا کہ کہوں اور تمہارے پاس "روحِ حق" فارقلیط آئے گا جو تم سے وہ سب کچھ کہہ ڈالے گا"۔

نیز دانیال (علیہ السلام) کی کتاب میں ہے کہ یہ صحیفہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے صحیفۂ ہدایت ہے مگر اس کے باوجود اُس کے اکثر مضامین رموز واشارات کی ایک چیستان ہیں، جن کے سمجھنے کے لیے دماغی کاوشوں کو سخت صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر بھی فیصلہ کن رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ اور یہی حال موجودہ اوراقِ اَوِستا کا ہے۔

لیکن قرآن کے معانی و مفاہیم کے سمجھنے سے متعلق نہ تو صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو تاریکی سے واسطہ پڑا اور نہ سلفِ صالحین اندھیرے میں حیران و سرگرداں نظر آئے بلکہ لغتِ عرب اور محاوراتِ زبان اور سیاق و سباقِ عبارت پر جو شخص جس قدر بصیرت رکھتا ہے قرآن اُن میں سے ہر ایک کے لیے ایک واضح بیان، ظاہر کلام، اور صاف و سادہ حقیقت بن کر ضوء افگن ہے۔

پس قرآن کا یہ دعویٰ حق ہے کہ وہ کتبِ سماویہ میں سب سے افضل و برتر ہے اور اس وصفِ خاص میں بھی ممتاز ہے کہ وہ ہدایت کے لیے "آیاتِ بیّنات" ہے اور امورِ الٰہیہ اور حق و باطل کے امتیاز کے لیے "بَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ" ہے۔

| | |
|---|---|
| شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ | مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن |
| اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ | ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں |
| هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى | روشن راہ پانے کی اور حق و باطل سے جدا کرنے |
| وَالْفُرْقَانِ (بقرہ) | کی۔ |

(آل عمران)۔ صف۔

| | |
|---|---|
| وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰیٰتٍ | اور یوں اتارا ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں۔ |
| بَیِّنٰتٍ (حج) | |

یونس، مریم، جاثیہ، سبا، نور، حدید، مجادلہ،

| | |
|---|---|
| فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ | سو آچکی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی |
| وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ (انعام) | طرف سے اور ہدایت اور رحمت۔ |

**متشابہ** | مسطورہ بالا امتیاز کو پیشِ نظر لا کر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اگر قرآن کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ وہ "بیان" "بیّنہ" "بیّنات" اور "آیات بیّنات" ہے جس میں خفا، رمز، اغلاق، اشتباہ، قطعاً موجود نہیں ہے تو پھر قرآن نے یہ کیوں کہا ہے کہ وہ "متشابہ" ہے؟ اس لیے کہ قرآن نے متشابہ کہا ہے "مشتبہ" نہیں کہا اور اگرچہ ان دونوں کا مادہ ش، ب، ہ ہے، تاہم دونوں کے معنی جدا جدا ہیں کیونکہ مشتبہ تو اس

صورتِ حال کا نام ہے جس میں کسی ایک جانب کا تعین نہ ہو سکے اور تردد و اضطراب اور قلق وانتشار اُس کا لازمی نتیجہ ہے اور اس کے بر خلاف متشابہ اُس حقیقت کا نام ہے جس میں دو یا چند امور ایک دوسرے کے ساتھ ہم شکل ہم صورت ہوں اور ان میں یکسانیت و ہم رنگی پائی جاتی ہو تو قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ میری تمام آیات، احکام امثال وقصص، وعدہ وعید، بیانِ حق و صدق مضارّ ومنافع معاد ومعاش غرض حُسنِ کلام اور صدقِ مضامین کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ مساوی اور ہم رنگ ہیں اور جس طرح توام بچے اکثر ایک دوسرے کے ہم شکل وہم شبیہ ہوتے ہیں ٹھیک اُسی طرح میرے نظم و معانی کے تمام انواعِ مضامین و ادا میں بلیغ مشابہت پائی جاتی اور تمام وکمال یک رنگی ہویدا ہے اس لیے میرا "بیان" و "بینہ" ہونا میرے "متشابہ" ہونے کے خلاف نہیں ہے بلکہ مزید تائید وتقویت کا باعث ہے اور یہ بھی میرا ایک خصوصی امتیاز ہے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ — اللہ نے ہی اتارا سب سے اچھی بات

کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا — (قرآن کو) جو ہے کتاب مشابہت رکھنے والی۔

(باقی آئندہ)

---


علامہ ابن جوزیؒ کی بلند پایہ کتاب

## تلقیح فهوم اہل الاثر

## فی

## عیون التاریخ والسیر

اتنے بڑے محدث کی ایسی مفید کتاب بالکل ناپید تھی۔ صرف ریاست ٹونک میں اس کا ایک نسخہ موجود تھا بڑی محنت کے بعد اسے زیورِ طبع سے آراستہ کیا گیا اور اس طرح یہ قابلِ قدر کتاب وجود میں آئی۔ سیرت وتاریخ میں یہ اپنے رنگ کی عجیب وغریب کتاب ہے جس کی خصوصیتوں کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے کتاب مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔ اس میں بہت سی وہ باتیں مل جاتی ہیں جو سیرت وتاریخ کی بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں یا تو ملتی ہی نہیں، ملتی ہیں تو بڑی دشواری کے بعد۔ قیمت صرف پانچ روپے آٹھ آنے

## مکتبہ برہان دہلی قرول باغ

# اسباب کفر وجحود

جو قرآن مجید میں بیان ہوئے

## تیسرا سبب ۔ استکبار واستہزاء

از جناب ڈاکٹر میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ ایبٹ آباد

(۳)

کفر وجحود کے پہلے سبب یعنی تقلید آباؤ اکابر وغیرہ اور دوسرے سبب یعنی اعراض کا ذکر ہوچکا اس مضمون میں تیسرے سبب یعنی استکبار واستہزا کا بیان مطلوب ہے، پہلے دو سبب اپنی ہمہ گیری کی وجہ سے خطرناک ہیں، تیسرا سبب مجرمیت کے لحاظ سے ان دونوں سے زیادہ خطرناک ہے تقلید واعراض کا مرتکب اتنا مجرم نہیں، جتنا استکبار واستہزا کا مرتکب، تقلید واعراض کا مجرم ایک گونہ نادانستہ طور سے سستی بے پرواہی اور غفلت کا شکار ہوتا ہے لیکن استکبار واستہزا کا مرتکب دیدہ و دانستہ کفر وجحود کو ایمان واقرار پر ترجیح دیتا ہے۔

تکبر اور ایمان کی دشمنی آگ اور روئی کی دشمنی ہے۔ ایک حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان اور تکبر ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

| | |
|---|---|
| وعن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ | ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کہا کہ فرمایا رسول |
| صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل النار | کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں داخل ہوگا دوزخ |
| احدٌ فی قلبہ مثقال حبۃ من | میں کوئی ایسا شخص جس کے دل میں رائی کے دانہ کے |

| | |
|---|---|
| خردلٍ من ایمانٍ ولا یدخل | برابر بھی ایمان ہوگا، اور نہیں داخل ہوگا بہشت |
| احدٌ فی قلبہ مثقال | میں کوئی ایسا شخص جس کے دل میں رائی کے |
| حبۃٍ من خردلٍ من کبرٍ | دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ روایت کیا |
| رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب الغضب | اسے مسلم نے (بحوالہ مشکوٰۃ) |
| والکبر الفصل الاول) | |

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تکبّر اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے حتیٰ کہ جس دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اُس دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر نہیں ہوسکتا اسی طرح اگر کسی دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی تکبّر موجود ہو، اس دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔

بظاہر بات بہت سخت ہے اور انداز بیان اس سے بھی سخت تر یہی وجہ ہے کہ شارحینِ حدیث نے اس حدیث کی شرح میں تاویلیں کی ہیں، صاحب اشعۃ اللمعات نے لکھا کہ جس شخص کے دل میں ذرّہ بھر ایمان ہو۔ وہ دوزخ میں (ہمیشہ کے لیے) داخل نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کے دل میں ذرہ بھر تکبر ہو وہ (سابقین کے ساتھ) بہشت میں داخل نہیں ہوتا، مطلب یہ کہ جس آدمی کے دل میں تھوڑا سا ایمان بھی ہو، وہ کچھ عرصہ دوزخ میں رہ کر بہشت میں داخل ہوجائے گا۔ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہ سکتا اور جس آدمی کے دل میں تھوڑا سا تکبّر بھی ہو، وہ جاتے ہی بہشت میں داخل نہیں ہوسکتا بلکہ کچھ عرصہ ضرور دوزخ میں رہنا پڑے گا۔

یہ تعبیر ہرچند حدیث کے الفاظ کی ظاہری سختی کو دور کر دیتی ہے۔ لیکن حدیث کے الفاظ میں اس تعبیر کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اگر اس حدیث کا یہی مطلب ہوتا تو ضرور ہے کہ الفاظ اور ہوتے اور طرز بیان اور ہوتا۔

حدیث کا پہلا حصہ تو بہرحال کوئی مشکل پیدا نہیں کرتا، حدیث کے دوسرے حصے کا اگر یہ مطلب لیا جائے۔ کہ جس شخص کے دل میں مستقل طور سے تکبّر کا تھوڑا بہت مادّہ موجود ہو۔ وہ